ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.08.No.02 2025

مسلم مفکرین کی اخلاقی فکر اور اس کے اثرات کا تجزیاتی مطالعہ

AN ANALYTICAL STUDY OF THE ETHICAL THOUGHT OF MUSLIM THINKERS AND ITS EFFECTS

Dr.Hafiz Ashfaq Ahmad
Principal WFGHSS Takht Bhai District Mardan
Ashfaqwfgs@gmail.com
Dr. Abad ur Rahman
Assistant Professor,Department of Islamic Studies ,University of Chitral
Chitral Khyber Pakhtunkhwa
abad.rahman@uoch.edu.pk
Dr.Sanaullah Rana Al.azhari
Associate Professor Department of Islamic Studies Bahria University Islamabad
sanaullah.buic@bahria.edu.pk

Abstract

In the wake of the 1857 War of Independence, Muslims in the Indian subcontinent experienced a severe decline in political, religious, educational, and cultural spheres. Hindu influence grew, and Islamic identity weakened, leading to confusion and detachment from core religious values. In this critical period, Muslim thinkers made significant efforts to revive the distinct identity of the Muslim Ummah.Reformers such as Mujaddid Alif Sani, Shah Waliullah, Sir Syed Ahmad Khan, Allama Iqbal, Shibli Nomani, Syed Sulaiman Nadvi, and Maulana Maududi played vital roles in preserving Muslim identity. Their intellectual and reformative contributions provided the foundation for the Two-Nation Theory. They argued that Muslims are a separate nation, distinct from Hindus in culture, values, history, and religion.

This paper highlights the role of religious institutions like Darul Uloom Deoband, which not only educated Muslims religiously but also fostered resistance against colonialism and Hindu dominance. These institutions promoted moral reform, revived Islamic consciousness, and preserved Muslim heritage through literature and scholarship.Allama Iqbal's poetry reinvigorated Muslim spirituality and challenged concepts like territorial nationalism and secularism. Maulana Maududi further elaborated on the need for an Islamic state, arguing that only in an independent Islamic system could Muslims fully live according to Qur'an and Sunnah.Together, these thinkers and institutions laid the groundwork for Muslim nationalism and eventually the demand for a separate Muslim state—Pakistan.

Keywords: Muslim Identity،Islamic Thought, Indian Subcontinent, Muslim Thinkers, Cultural Revival, Religious Reform, Pakistan Movement, Muslim Nationalism, Islamic Renaissance

اسلامی تہذیب میں اخلاقیات ہمیشہ مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔قرآن وسنت نے انسان کی زندگی کو عبادات اور عقائد تک محدود نہیں رکھا بلکہ اخلاقی اصولوں کو بھی لازمی جزو قرار دیا۔انہی بنیادوں پر مسلم مفکرین نے مختلف ادوار میں اخلاقی فکر کو منظم کیا اور اسے فرد اور معاشرے کی اصلاح کا بنیادی ذریعہ بتایا۔ان کے نزدیک اچھے اخلاق صرف شخصی صفات نہیں بلکہ ایک ایسے اجتماعی رویے کی تشکیل کرتے ہیں جو انصاف، مساوات، رواداری اور عدل پر قائم ہوتا ہے۔ مسلم مفکرین نے اپنی اخلاقی فکر میں انسان کے باطنی پہلو یعنی نفس کی اصلاح اور بیرونی پہلو یعنی معاشرتی رویّوں کو یکجا کیا۔ان کے نزدیک فرد کی روحانی پاکیزگی اور اخلاقی بلندی ہی ایک بہتر معاشرے کی بنیاد ہے۔اسی لیے انہوں نے صداقت، عدل، ایثار، خدمت خلق اور تحمل کو انسانی شخصیت کے بنیادی اوصاف کے طور پر اجاگر کیا۔یہ فکر صدیوں تک مسلم دنیا میں علمی و فکری مباحث کا حصہ بنی رہی اور مختلف تہذیبی و معاشرتی تناظر میں عملی اثرات مرتب کرتی رہی۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اس اخلاقی فکر کے اثرات محض علمی دائرے تک محدود نہ تھے بلکہ سیاسی نظام، سماجی ڈھانچے، اور تہذیبی اقدار میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ مسلم معاشروں میں علم، عدل، برداشت اور خدمتِ خلق کو جو مقام ملا، وہ انہی اخلاقی تصورات کا نتیجہ تھا۔ اس طرح مسلم مفکرین کی اخلاقی فکر نے نہ صرف فرد کی شخصیت کو سنوارا بلکہ تہذیب کی تشکیل اور معاشرتی نظام کی تعمیر میں بھی بنیادی کردار ادا کیا۔ یہی اس موضوع کے تجزیاتی مطالعے کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔

عقائد کی تطہیر اور اصلاح کی کوششیں

برصغیر میں مسلم مفکرین نے سب سے زیادہ توجہ عقائد کی اصلاح پر مرکوز رکھی، کیونکہ ہندوستان میں رہتے ہوئے مسلمانوں کا شرک آمیز ماحول سے متاثر ہونا ایک فطری خطرہ بن چکا تھا۔ خاص طور پر مغل بادشاہ جلال الدین اکبر (1556ء–1605ء) کے دور میں مذہبی گمراہیوں کو ایک باقاعدہ نظام کے تحت فروغ دیا گیا۔ اکبر نے اپنے اقتدار کو مذہب کے دائرے میں داخل کرتے ہوئے "دینِ الٰہی" جیسا متنازع عقیدہ متعارف کروایا، جو اسلامی اصولوں سے شدید انحراف پر مبنی تھا۔ اکبر کے دربار میں اسلامی عقائد کا مذاق اڑایا جاتا، اور بنیادی مسائل جیسے نبوت، آخرت، رویتِ باری تعالیٰ، اور حشر و نشر کو شبہات کا نشانہ بنایا گیا۔ اس ماحول کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی معروف تاریخی تصنیف منتخب التواریخ میں لکھا:

> "دین کے ہر رکن اور عقیدے، چاہے وہ اصول سے ہو یا فروع سے، جیسے نبوت، کلام، رویت، تکلیف، تکوین، اور حشر و نشر، سب پر استہزاء اور تمسخر کے ساتھ شبہات پیدا کیے جانے لگے۔[1]"

اکبر کی مذہبی پالیسی کا ایک پہلو یہ تھا کہ وہ سورج اور ستاروں کی پرستش کو فروغ دیتا، اور لوگوں کو اس بات پر مجبور کرتا کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کے ساتھ "اکبر خلیفۃ اللہ" کا اضافہ کریں۔ یہ ایک ایسی بدعت تھی جس کا مقصد اکبر کو روحانی اقتدار کے منصب پر فائز کرنا تھا۔ اس کے علاوہ جو شخص دینِ الٰہی کو قبول کرنا چاہتا، اسے ایک تحریری معاہدے پر دستخط کرنا پڑتا جس میں اکبر کی اطاعت کو مذہبی فریضہ تسلیم کرنا لازم ہوتا۔ اس الحاد آمیز ماحول میں مسلم مفکرین نے مسلمانوں کو اصل اسلامی عقائد کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کی اور انہیں بتایا کہ توحید، رسالت، اور آخرت جیسے بنیادی عقائد سے انحراف دین کی بنیادوں کو ہلا دینے کے مترادف ہے۔

برصغیر میں عقائد کی اصلاح کی تجدیدی کوشش

برصغیر میں اسلامی تشخص کے زوال اور مشرکانہ اثرات کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے تناظر میں، مسلم مفکرین نے بالخصوص عقیدہ توحید کی تجدید کو اپنی جدوجہد کا مرکزی نکتہ بنایا۔ اس دور میں سب سے بڑا چیلنج مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کا متعارف کردہ "دینِ الٰہی" تھا، جس کے ذریعے اکبر نے اسلامی عقائد کی جگہ ایک نیا مرکب مذہب رائج کرنے کی کوشش کی۔ اس نئے دین میں داخلے کے لیے ایک تحریری اقرار نامہ درکار ہوتا جس میں واضح طور پر اسلام سے علیحدگی اور دینِ الٰہی سے وفاداری کا اعلان کیا جاتا۔ ایک معاہدے کے متن میں لکھا گیا:

> "منکہ فلاں بن فلاں ہوں، اپنی خواہش، رغبت اور دلی شوق کے ساتھ اس تقلیدی اور مجازی اسلام سے مکمل علیحدگی کا اعلان کرتا ہوں، جو صرف سننے اور دیکھنے پر مبنی تھا۔ میں بادشاہ اکبر کے دینِ الٰہی میں شامل ہوتا ہوں اور اس دین کے چار درجوں یعنی مال، جان، عزت اور دین کی قربانی کو تسلیم کرتا ہوں۔"

اکبر کے مذہبی انحراف کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دربار میں "بسم اللہ" کی جگہ "اللہ اکبر" لکھنے کا حکم دیا گیا، اس کے درباری سجدہ تعظیمی کے پابند کیے گئے، اور یہاں تک کہ مساجد کے نام تک بدل کر غیر اسلامی مفاہیم دے دیے گئے، جیسے ایک مسجد کا نام "زمین بوس" رکھا گیا جو کہ سجدے کی علامت تھی، مگر درحقیقت بادشاہ پر تعظیمی سجدے کا جواز پیدا کرنے کے لیے تھا۔ دینِ الٰہی صرف سورج اور ستاروں کی پرستش تک محدود نہ تھا بلکہ اس میں بادشاہ کی ذات کو نیم الٰہی مقام دینے کی کوشش کی گئی۔ اس ماحول میں عقیدہ توحید شدید خطرے میں پڑ چکا تھا۔ یہی وہ مقام تھا جہاں حضرت مجدد الف ثانی (شیخ احمد سرہندی) میدان میں آئے اور شرک پر مبنی تمام نظریات کو چیلنج کیا۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں لکھا:

> "ہم جس کو تراشتے ہیں، سوچتے ہیں یا جس کا تصور کرتے ہیں، وہ سب اللہ کی مخلوق ہیں، نہ کہ خالق۔ عبادت صرف اس ذات کی ہونی چاہیے جس کی حقیقت کو عقل و وہم کی رسائی حاصل نہیں، اور جو ہمارے حواس و ادراک سے ماوراء

[1] ملا عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، ترجمہ: جورج رینکنگ، جلد دوم، کلکتہ: ایشیاٹک سوسائٹی، 1998، ص166

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.08.No.02 2025

ہے۔اگر ایمان، شہود (مشاہدہ) پر مبنی ہو تو وہ در اصل اللہ کی کسی مخلوق پر ایمان ہے، کیونکہ اللہ تعالی کو دیکھا یا جانا نہیں جا سکتا، سوائے اس کے جو غیب کے طور پر بیان ہوا ہو۔[2]"

حضرت مجدد نے بادشاہ جہانگیر کے دور میں نہ صرف عقائد کی اصلاح کا سلسلہ جاری رکھا بلکہ عملی طور پر دربار میں اسلامی اقدار کی بحالی کے لیے کوشش کی۔اگرچہ ابتدا میں بادشاہ نے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا، مگر بعد میں آپ کی روحانی شخصیت اور دعوتِ دین نے اثر دکھایا اور جہانگیر نے نہ صرف رہائی دی بلکہ آپ کی تجاویز پر عمل درآمد کا آغاز بھی کیا۔ان مطالبات میں شامل تھے:

1. تعظیمی سجدہ کا خاتمہ
2. گاؤکشی پر عائد پابندی ختم کی جائے
3. نماز باجماعت کا اہتمام
4. شرعی قضا اور احتساب کے اداروں کی بحالی
5. بدعات اور منکرات کا مکمل خاتمہ
6. غیر شرعی قوانین کی تنسیخ
7. مساجد کی دوبارہ تعمیر اور آبادکاری

یہ تمام اصلاحات بادشاہ نے منظور کیں، اور اس طرح نصف صدی سے جو اسلامی شناخت زوال کا شکار تھی، اس میں نئی روح پھونکی گئی۔علامہ اقبال نے بھی اپنی شاعری اور فلسفہ کے ذریعے توحید کی قوت اور مشرکانہ نظاموں کے خلاف بغاوت کو نمایاں کیا۔ان کا پیغام بھی یہی تھا کہ مسلمان کی اصل طاقت، اس کا عقیدہ توحید ہے، جو اسے ہر باطل نظام کے خلاف مزاحمت پر آمادہ کرتا ہے۔

شرکیہ رسومات کا خاتمہ

برصغیر میں مسلمانوں کی ہندو معاشرے سے قریبی ہم زیستی کے نتیجے میں اسلامی عقائد میں خالص توحیدی مزاج بتدریج کمزور ہوتا گیا، اور کئی مشرکانہ تصورات و رسومات اسلامی معاشرت میں سرایت کرنے لگے۔ مخصوص مواقع، بیماریوں اور میلوں ٹھیلوں میں ہندوانہ رسومات کی پیروی عام ہوگئی، جس کا سب سے زیادہ اثر خواتین میں نظر آتا تھا۔ مسلمانوں نے ہندو تہواروں کی نقالی شروع کی، غیر اسلامی عقائد کی جھلک ان کی مذہبی زندگی میں داخل ہوگئی، اور نذر و نیاز، منتیں، قبروں پر جانوروں کی قربانی، مخصوص دنوں کی تعظیم جیسے اعمال عام ہوگئے، جن کا کوئی تعلق اسلامی تعلیمات سے نہ تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی نے ان انحرافات کی شدید مذمت کی اور اپنی مکتوبات میں واضح الفاظ میں لکھا کہ:

> "عوام الناس، خاص کر عورتیں، ایسی رسومات میں مبتلا ہیں جو خالص شرک کی شکلیں اختیار کر چکی ہیں۔وہ چیچک جیسے امراض کے وقت نیک اور بد عورتوں سے مدد مانگتی ہیں، ہندو تہواروں میں شرکت کرتی ہیں، اپنی بیٹیوں کو خاص دنوں پر تحفے بھیجتی ہیں، اور ان ایام کو اپنی خوشی و شادمانی کے دن سمجھتی ہیں۔جانوروں کو اولیاء کی نذر کرتی ہیں، قبروں پر جا کر ذبح کرتی ہیں، جنات کے نام پر نیاز دیتی ہیں اور عورتیں اولیاء اور بیبیوں کے نام پر روزے رکھتی ہیں، گویا وہی ان کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کا ذریعہ ہیں۔[3]"

یہ تمام اعمال اسلامی توحید کے بنیادی اصولوں سے انحراف تھے، جن کا سد باب ضروری تھا۔ان خرافات کے خلاف مسلم مفکرین نے بھرپور فکری اور اصلاحی مہمات شروع کیں۔ان کی تعلیمات کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ:

1. عبادت صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے۔
2. کوئی انسان، ولی، جن، یا مخلوق کسی بھی قسم کی حاجت روائی یا مشکل کشائی کی طاقت نہیں رکھتی۔

---

[2] مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، مرتبہ: خواجہ محمد معصوم، لاہور: ادارہ اسلامیات، 1981ء، مکتوب نمبر 260، ج2، ص 122

[3] مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، مرتبہ: خواجہ محمد معصوم، لاہور: ادارہ اسلامیات، 1981ء، جلد اول، مکتوب نمبر 66

3. نذر و نیاز کا مصرف صرف اللہ کی رضا ہونا چاہیے، نہ کہ کسی قبر، درگاہ یا بزرگ کی خوشنودی۔

4. رسم و رواج کی بنیاد پر دین کو بدلنا یا اس میں نئی باتیں شامل کرنا صریح بدعت اور شرک کے مترادف ہے۔

اس فکری تحریک کا نمایاں اثر برصغیر کی اصلاحی تحریکوں پر ہوا، جنہوں نے عوام الناس میں عقیدہ توحید کو از سر نو زندہ کیا۔ خاص طور پر دیوبند، اہل حدیث، تحریک مجاہدین اور جماعت اسلامی جیسے مکاتب فکر نے عوامی سطح پر شرک و بدعات کے خلاف علمی دلائل اور دعوتی سرگرمیوں کے ذریعے بیداری پیدا کی۔

قرآن وسنت کی تعلیمات کے ذریعے معاشرے میں تبدیلی

تمام مفکرین اخلاق نے قوم کے لئے اور قوم کے افراد کے لئے جس چیز کو اہم اور بنیاد جان وہ قرآن اور قرآنی تعلیمات ہیں اور برصغیر پاک وہند کے علماء کا احسان ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ فارسی میں کیا اس کے بعد ترجمہ قرآن کو اردو میں ڈھالا گیا اور اس کے لئے اپنی جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہ کیا گیا کیا نکہ ہندوستان کے قدامت پسند حلقوں میں تصور رائج تھا کہ قرآن چونکہ عربی میں نازل ہوا ہے اس لئے اس کے عربی میں پڑھنا چاہیے جب کی شاہ ولی اللہ کے نزدیک اس کی تفہیم اور اس کی تعلیمات پر عمل کے لئے ضروری تھا کہ قرآن پاک کا ترجمہ موجود زبان میں کیا جائے تاکہ وہاں کے لوگ اللہ کے پیغام کو باآسانی سمجھ سکیں تمام مسلم مفکرین کی فکر کا اولین مرکز قرآن حکیم ہے، یہ بات واضح کی گئی کہ قرآن حکیم نے اپنے اولین پیروؤں کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا مسلمانوں کی سیرت، ان کے اخلاق اور ان کے تمدن کو بدل کر رکھ دیا اور انہیں دنیا کا امام بنا دیا۔

> اعتقادی مسائل، اخلاقی ہدایت، شرعی احکام، دعوت، نصیحت، عبرت، تحقید، تخویف، علامت، بشارت، تسلی، ولا
> کل، شواہد تاریخی قصص، آثار کائنات کی طرف اشارے۔۔۔۔۔ بار بار ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں"[4]

مسلمانان ہند کے "احوال واقعی" شاہ ولی اللہ کے سامنے تھے، عالم اسلام کے حالات سے بھی وہ بے خبر نہ تھے کہ حجاز مقدس میں ایک سال سے زیادہ عرصہ گزار آئے تھے جہاں سید ابوالحسن کے بقول "اس زمانے کے عالم اسلام کے دل کی دھڑکنیں سنی جاسکتی تھیں۔ اپنے دور میں انہوں نے ملت اسلامیہ کی اصلاح احوال کی درستگی کے لئے اس نسخہ شفا کو تجویز کیا ہے مسلمانان ہند فراموش کے بیٹھے تھے انہوں نے مسلمانوں کے لئے یہی نسخہ قرآن " تجویز کیا، اس کے فہم اور تدبر کی طرف توجہ دلائی، بچوں کے لئے تو خاص طور پر نصیحت فرمائی کہ ابتدائی دور عمر ہی میں اگر وہ اس کے معنی و مفہوم سے ایک مرتبہ گذر جائیں تو یہ نقوش ان کے لوح ذہن پر ہمیشہ مرتسم رہیں گے خود اپنے مدرسے میں انہوں نے طالب علموں کے لئے تعلیم قرآن کا جو طریقہ اختیار کیا اس کو اپنی وصیت میں بھی اس طرح بیان کیا۔

قرآن کا درس اس طرح دیں کہ صرف قرآن پڑھائیں، بغیر تفسیر کے ساتھ ساتھ ترجمہ کرتے جائیں، جہاں کوئی نحو یا شان نزول کا مشکل مسئلہ آئے، وہاں ٹھہریں اور پر بحث کریں، درس سے فارغ ہونے کے بعد درس میں جتنا قرآن پاک پڑھا گیا ہو اس کی مقدار کے مطابق جلالین پڑھائیں، اس طرح پڑھنے میں بڑے فائدے ہیں۔ آپ تلاوت تفکر اور تدبر کے ذریعے قرآن سے جوڑنا چاہتے تھے اور آپ نے الفوز الکبیر و اصول تغییر لکھ کے مسلمانوں کے معاشرتی اور اخلاقی مسائل کی نشاندہی کی اور ان کا حل قرآنی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا آپ نے ترجمہ قرآن لکھ کر مسلمانوں پر جو احسان کیا اس کا بدلہ وہ تا قیامت نہیں چکا سکتے، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ کے افکار میں جا بجا اس بات کا تذکرہ نظر آتا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے امتزاج سے اسلام کا وہ منفرد نظام حیات تشکیل پاتا ہے جو اخلاق حسنہ کی محض آبیاری نہیں کرتا بلکہ اس کے لئے محرک بھی بنتا ہے آپ اخلاقی اصولوں کو بیان کرنے کے لئے سب پہلے قرآن سے استفادہ کرتے نظر آتے ہیں اور علامہ اقبال کے نزدیک بھی قرآن و حدیث ہی سے اصلاح امت کا کام لیا جاسکتا ہے، اور اسی غرض کے لئے مسلم مفکرین نے قرآن کی تفاسیر بھی لکھیں تاکہ مسلمان قرآن کے مدعا کو باآسانی سمجھ سکیں اور زندگی میں درپیش مسائل کو قرآن کی روشنی میں ہی حل کر سکیں، سر سید احمد خان، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، مولانا سید الاعلی مودودی، ابوالحسن علی ندوی وغیرہ ان سب مفکرین نے قرآن کو ہی تربیت کی اولین بنیاد بنایا ہے۔

---

[4] مودودی، ابوالاعلی، قرآن کی چار بنیادی اصلاحات اسلامک پبلی کیشنز، لاہور 1987ء، ص 59

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

معاشرے میں اتباعِ سنت کا فروغ

برصغیر میں جب مسلمانوں کی معاشرت پر ہندوانہ رنگ غالب آنے لگا، تو اصلاحی تحریکوں نے ایک بڑی فکری اور عملی جدوجہد کے ذریعے سنت نبوی ﷺ کی از سرنو اشاعت کو اپنی اولین ترجیح بنایا۔ اسلامی تعلیمات کی روح کے مطابق ان مفکرین کا ماننا تھا کہ انسانی نجات، روحانی بلندی اور معاشرتی تطہیر کا دار و مدار صرف اور صرف رسول اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کی پیروی پر ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کو انسانی زندگی کے ہر پہلو کے لیے مکمل ضابطۂ حیات قرار دیا گیا۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے فکر و فن کے ذریعے اس تصور کو خاص طور پر اجاگر کیا کہ ایک حقیقی مسلمان کی پہچان نبی کریم ﷺ کی محبت اور ان کی اطاعت میں ہے۔ ان کے کلام میں اتباعِ رسول ﷺ کو انسان کی عزت، وقار اور نجات کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں:

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است[5]
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است

یعنی، "مسلمان کے دل میں نبی کریم ﷺ کی محبت کا مقام ہے، ہماری عزت، وقار اور شناخت نبی اکرم ﷺ کے نام نامی سے وابستہ ہے۔" اقبال کے نزدیک، نبی اکرم ﷺ ہی وہ ہستی ہیں جنہوں نے وحی کے سائے میں انسانیت کو نہ صرف دینی رہنمائی دی، بلکہ ایک ایسا تمدن، نظام اور اخلاقی ڈھانچہ دیا جو قیامت تک کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ وہ مزید فرماتے ہیں:

از کلیدِ دین درِ دنیا کشادہ،
ہم چو او بطنِ اُمِ گیتی نزاد[6]

یعنی، "آپ ﷺ نے دین کی کنجی سے دنیا کے دروازے کھولے، آپ ﷺ جیسا کوئی انسان اس دنیا نے جنم نہیں دیا۔" اسلامی مفکرین، بالخصوص حضرت مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ، سر سید احمد خانؒ، مولانا مودودیؒ اور دیگر مصلحین نے بھی مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ ہندو تہذیب کے اثرات سے نکل کر، سنتِ رسول ﷺ کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کا محور بنائیں۔ ان کے نزدیک فلاح، نجات اور تہذیبی وقار صرف اسی صورت ممکن ہے جب امت محمدی ﷺ اپنے نبی کی تعلیمات، افعال اور سنت کو اپنا شعار بنائے۔ اقبال اس بات پر زور دیتے ہیں کہ فرد اور معاشرہ دونوں کی اصلاح اتباعِ رسول ﷺ کے بغیر ممکن نہیں:

"جہاں تک فرد کی ذات، اس کی اخلاقی تربیت اور معاشرتی ترقی کا تعلق ہے، وہ صرف اس وقت ممکن ہے جب وہ نبی کریم ﷺ کے نقشِ قدم پر چلے، اور اس کے لیے پختہ ایمان شرطِ اول ہے۔[7]"

مسلم مفکرین نے اپنے خطابات، تصانیف، دروس اور تربیتی نظامات کے ذریعے اتباعِ سنت کو معاشرے میں رائج کرنے کی سعی کی، تاکہ مسلمان صرف نام کے مسلمان نہ ہوں، بلکہ اپنی عملی زندگی میں بھی اسوۂ حسنہ کے نمونے بنیں۔ ان کا زور اس بات پر تھا کہ مسلمان غیر اسلامی ثقافتوں کی نقالی کی بجائے اپنی اصل شناخت، یعنی سنتِ نبوی ﷺ سے جڑ کر ہی حقیقی عزت حاصل کر سکتے ہیں۔

تصوف کی تطہیر

برصغیر میں اسلامی روحانیت (تصوف) کو ایک خاص تناظر میں دیکھنے اور پرکھنے کی ضرورت اس وقت شدت سے محسوس کی گئی، جب مسلمانوں کے ماحول پر ہندوانہ رسومات و افکار کا گہرا اثر پڑنے لگا۔ صوفیانہ طرزِ فکر بھی ان اثرات سے محفوظ نہ رہ سکا، اور یوں روحانیت میں بعض غیر اسلامی عناصر، خاص طور پر شرکیہ تصورات، وسیلہ پرستی، اور شخصیت پرستی کی آمیزش دیکھی گئی۔ مسلم مفکرین، خصوصاً شاہ ولی اللہ دہلویؒ، نے اس امر کی شدید مخالفت کی کہ اسلام میں کوئی روحانی پیشوا، فقیر یا درویش، خدا تک رسائی کا واحد ذریعہ بن جائے۔ یہ ہندو دھرم کے برہمن پجاریوں، پروہتوں اور گروؤں کا طریقہ تھا، جس میں عوام کے لیے "مقدس ہستیوں" تک رسائی انہی کے واسطے سے ممکن سمجھی جاتی تھی۔ اسلامی تصورِ بندگی اس کے بالکل برعکس ہے، جہاں ہر بندہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کر سکتا ہے، اور شریعت کی پیروی کے ذریعے اس کی قربت حاصل کر سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے تصوف کو احسان کا عملی مظہر قرار دیتے ہوئے کہا کہ:

---

[5] اقبال، علامہ محمد۔ ارمغانِ حجاز۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1996ء، ص 54

[6] اقبال، علامہ محمد۔ ارمغانِ حجاز۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1996ء، ص 55

[7] اقبال، علامہ محمد۔ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1982ء، ص 69

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.08.No.02 2025

"تصوف وہی حقیقی اور اسلامی ہے جو شریعت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے انسان کو روحانی تربیت دے اور اللہ تعالیٰ کے حضور تقرب کی صلاحیت پیدا کرے۔ ارکانِ اسلام کی پابندی سے وہ تزکیۂ نفس حاصل ہوتا ہے جس سے انسان عبدیت کے حقیقی مقام پر فائز ہوتا ہے۔[8]"

اسی فکری روایت کو علامہ اقبالؒ نے بھی اپنی شاعری میں زندہ کیا، لیکن انہوں نے اس وقت کے غیر اسلامی تصوف کی سخت مخالفت کی، جو محض رقص، وجد، سرود اور جذباتی کیفیات پر مبنی تھا۔ ان کے نزدیک ایسا تصوف نہ صرف عملی زندگی سے کٹ جاتا ہے بلکہ امت کو سستی اور جمود کی طرف لے جاتا ہے۔ اپنی معروف نظم "سرودِ حرام" میں اقبالؒ اس غلط تصوف پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

نہ میرے ذکر میں ہے صوفیوں کا سوز و سرور
نہ میرا فکر ہے پیمانۂ ثواب و عذاب[9]

اقبالؒ کے نزدیک وہ نغمے اور موسیقی جو فرد یا قوم میں بے عملی، غفلت، یا جذباتی سرشاری کا سبب بنیں، وہ سراسر حرام ہیں، کیونکہ وہ انسان کو مقصدِ حیات سے دور لے جاتے ہیں۔ اقبالؒ نے تصوف کے بجائے اتباعِ شریعت کو اصل روحانیت قرار دیا، اور "مردِ مومن" کی مثالی شخصیت بیان کرتے ہوئے اسے وہ ہستی قرار دیا جو شریعت و طریقت کا کامل امتزاج ہو، جس کی محبت و نفرت اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع ہو، جو دنیا سے الگ بھی ہو اور دنیا کو منور بھی کرے۔

مسلم مفکرین کی مشترکہ کوشش یہ رہی کہ تصوف کو اس کی اصل اسلامی اساس پر استوار کیا جائے، اور اسے غیر اسلامی فلسفوں، رہبانیت اور عقیدت کی انتہاپسندانہ شکلوں سے پاک کر کے تزکیہ، اخلاص، تقویٰ اور اتباعِ شریعت کا علمبردار بنایا جائے۔ ان کا ماننا تھا کہ تصوف، اگر شریعت کے تابع ہو تو عین اسلام ہے، بصورتِ دیگر گمراہی کا دروازہ۔

بدعات کا خاتمہ اور اصلاح معاشرت

تمام مفکرین اخلاق کی اصلاحی کاوشوں کا مرکزی نقطہ بدامات کا خاتمہ اور اصلاح معاشرت رہا ہے، یہ وہ معاشرتی خرابیاں تھیں جو ہندوں کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر آگئی تھیں ان کی نشاندہی کی اور انہیں ختم کرنے کے لئے عملا کوششیں کیں اور قلمی جہاد کے ذریعے لوگوں میں شعور پیدا کرنے کی سعی وجدوجہد کی۔ جن خرابیوں کو سرفہرست ختم کرنے کی کوشش کی ان میں ہوگان کا نکاح نہ کرنا، بڑے بڑے مہر باندھنا جو سنت نبوی ملی پٹی ایم کے خلاف اور خانہ بربادیوں کا سبب ہے، عادت شنیعہ خوشی غمی کے موقع پر اسراف کی ہے، جس کی وجہ سے قوم غربت کا شکار ہو رہی تھی اور عورتوں کی بدعقیدگیاں، ضعف ایمانی میں مبتلا ہونا، قبرپری کی وباعام تھی، قبروں کو سجدے کئے جاتے تھے مسلمانوں کے لئے روحانی تربیت کے لئے احکام اسلام کی پابندی، اعمال حسنہ اور سنت نبوی صلی عالم کی پیروی ضروری نہ تھی بلکہ یہی مدعا مراقبوں وظیفوں، اور مرشد کی توجہ سے حاصل ہو جاتا تھا، تعویذ گنڈوں کا بہت زور تھا، بیاریوں کو دور کرنے کے لئے یا دوسرے مقاصد کے لئے سب سے زیادہ کوشش تعویذوں کی تلاش میں کی جاتی، ہندو جوگی اور مسلمان پیر صاحبان کاغذ پر الٹی سیدھی لکیریں کھینچ کر خوش اعتقادوں کو دے دیتے اور یوں انھیں حصول مقصد کے درست طریقوں سے باز رکھتے۔

معاشرتی رسموں کے اعتبار سے بھی مسلمانوں اور ہندوؤں میں کوئی بڑا فرق نہ تھا، اسلام کی تعلیم یہ تھی کہ خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو، لیکن بھوت پریت کے ڈر اور دوسرے واہموں سے زندگی کا سکون تلف ہو رہا تھا، ہندوؤں میں نکاح بیوگان پاپ سمجھا جاتا تھا مسلمانوں میں بھی نکاح ثانی برا سمجھا جانے لگا، شادی بیاہ اور تجہیز و تکفین کے متعلق اسلامی احکام نہایت سادہ، معقول اور دینی و دنیاوی بھلائی پر مبنی تھے، لیکن مقامی اثرات سے ان کی جگہ ایسی خلاف شرع رسموں نے لے لی تھی، جن میں فضول خرچی، تصنع اوقات اور دوسری بیبیوں قباحتیں تھیں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے زمانے میں مروج صرف پیدائش، شادی اور وفات کی رسومات کا جائزہ لیا ہے جن کی تعداد سوتک پہنچ گئیں۔[10]

---

[8] شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، دہلی: نولکشور پریس، 1870ء، جلد 1، ص 210

[9] علامہ محمد اقبال، بانگ درا، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1996ء، ص 187

[10] تھانوی اشرف علی، اصلاح رسوم مکتبہ رحمانیہ، لاہور، 2001، ص 106

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

جب برصغیر میں مسلمانوں کا دور حکمرانی ختم ہوا(1857ء) تو یہاں اسلامی دور کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا، مسلمانوں کی اخلاقی ورعالی کمزوریوں پر جو پردہ پڑا ہوا تھا وہ اٹھ گیا، دنیوی حکومت اور اقتدار کا معاملہ عجیب ہے، اس سے بہت سے عیب چھپ جاتے ہیں اور کئی برائیاں تو خوبیوں کا رنگ اختیار کر گئیں تھیں، لیکن جب مسلمانوں کا اقتدار اور جاہ وجلال رخصت ہونے لگا تو ان کی کوتاہیاں اور خرابیاں روز روشن کی مانند نظر آنے لگی مجدد الف ثانی، امام الہند شاہ ولی اللہ، علامہ اقبال، ابوالاعلیٰ مودودی، ابوالحسن علی ندوی، سید سلیمان ندوی، شبلی نعمانی وغیرہ سب مفکرین نے ان خرابیوں کی نشاندہی کی اور اصلاح کے لئے آگے بڑھے اور انہیں کاوشوں کے سبب اسلام ان آلائشوں (بدعات) سے پاک ہو کر آج کی نسل تک پہنچا۔

اخلاقی و معاشرتی تربیت

ہر معاشرے کی ترقی کی بنیاد وہاں پر بسنے والی قوم کی اخلاقی صورتحال پر ہوتی ہے اور اخلاق کی بلندی اور اس کی پستی ہی کسی قوم کے مقام کا تعین کرتی ہے اور جو قومیں اخلاق کی پابندی نہیں کرتیں وہ اپنے مقاصد میں ناکام ہو جاتی ہیں کیوں کہ معاشرتی اقدار اخلاقیات) ان افراد کے اخلاق کا انعکاس ہوتی ہیں جن سے معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور اخلاقی برائیاں لازمی طور پر معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اگر کسی معاشرے کا ضابطہ اخلاق ناقص ہو اس کا توازن بگڑ جائے یعنی افراط و تفریط کا شکار ہو جائے تو وہ معاشرہ روحانی طور پر بیمار ہو جائے گا، مغلیہ سلطنت کا زوال معاشرتی نظام کی فرسودگی کا نتیجہ تھا، اور یہ فرسودگی اس معاشرے کی اخلاقی تباہی کا نتیجہ تھی جو خود غرضانہ کوتاہ بینی سے اپنا دیکھا نہیں چھڑا سکتا تھا اس لئے اخلاقی احیاء کی غرض کے لئے ضروری تھا کہ ہنگامی بنیادوں پر ان اخلاقی بیماریوں کا سد باب کیا جائے۔

> شاہ ولی اللہ نے مسلمانان ہند کے لئے ایسی اصلاحات پیش کیں جو ان کی اخلاقی و قومی زندگی میں دیسی معاشرے اور اس کے عقائد سے روابط کے باعث روان کے طور پر چپکے سے داخل ہو گئی تھیں۔[11]

ان کی رائے میں مسلم معاشرے کی صحت کا تقاضا یہ تھا کہ اسلامی اصولوں اور قدروں کو ان کی خالص پاکیزگی کے ساتھ قائم رکھا جائے اور خارجی اثرات سے آلودہ نہ ہونے دیا جائے، وہ اس سلسلے میں اس قدر دقیقہ رسی تھے کہ سطحی رسوم التیار کرنے کو بھی پسند نہیں کرتے تھے، وہ مسلمانوں کی علیحدہ ہستی کو برقرار رکھنے کے لئے بے چین تھے، اس لئے وہ لباس میں بھی مقامی قطع وضع کو اختیار کرنے کے خلاف تھے وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان یہاں کے عام ماحول کا ایک جزو بن کر رہ جائیں، دو چاہتے تھے کہ دنیا اسلام سے ان کے تعلقات برقرار رہیں تاکہ ان کے وجدان اور بلند اصولوں کا سرچشمہ اسلام اور ایک عالمی ملت کی اسلامی روایات رہیں۔

برصغیر کے مسلمانوں کے زوال کے اسباب کی نشاندہی

مفکرین اسلام نے مسلمانوں کے زوال کے اسباب کو بھی تلاش کیا اور اس سے مسلمانوں کو آگاہ بھی کیا، مجھے غور کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ ہمارے زمانے میں دو باتیں ایسی ہیں، جن کا وجود اختلال تمدن (زوال) کا باعث ہے، ایک تو یہ کہ بہت سے لوگوں نے دوسرے پیشوں کو چھوڑ کر اپنے آپ کو حکمت کے دامن سے وابستہ کر رکھا ہے، اور ان کے معاش کا تمام بوجھ بیت المال پر پڑ رہا ہے

بعض ان میں سے سپاہی ہیں بعض ان میں سے اپنے آپ کو اہل علم ہونے کی حیثیت اس کا مستحق سمجھتے ہیں کہ حکومت ان کے رزق کی کفیل ہو، بعض ایسے ہیں جن کو انعام واکرام سے نوازنا اور ان کو بخشیش اور صلہ دینا سلاطین کی عادت ہے، زادیہ نشین افراد اور درباری شعراء، بعض ایسے بھی ہیں جن کو بھکاری کہنا مناسب ہے یہ لوگ کسی نہ کسی طرح بیت المال سے لیتے رہتے ہیں، الغرض وہ تمام لوگ جن کے پیش نظر اپنا پیٹ بھرنا ہوتا ہے، قطع نظر اس کہ حکومت اور سوسائٹی کی کوئی ضرورت اور مصلحت ان سے پوری ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، بیت المال پر ناجائز بوجھ ڈالنے ہی کا باعث ہیں اور ایسے لوگوں سے جس قدر ملک و قوم کو نجات مل جائے اتنا ہی ملک و قوم کے لئے مفید ہے۔

خرابیوں کی نشاندہی کی گئی اور بتایا گیا کہ بہت ساری خرابیوں کی جڑ تمدن کی خرابی ہے "دوسری خرابی موجودہ تمدن کی یہ ہے کہ زمین داروں اور کاشت کاروں اہل صنعت و حرفت اور تجارت پر حکومت نے بڑے بھاری لیکس لگا رکھے ہیں اور پھر ان کی وصولی کے لئے عوام پر تشدد کیا جاتا ہے اور عوام کے جاتے ہیں اور دو ٹیکسوں کے بوجھ تلے دیتے چلے جاتے ہیں اور ان کی حالت زبوں سے زبوں تر ہوتی چلی جاتی ہے اور اس مطیع اور فرمانبردار طبقہ کے مقابلے میں رعیت کا ایک فریق ہے جس نے حکومت

---

[11] ندوی، ابوالحسن علی، البلاغ المبین، مجلس نشریات اسلام، 1986ء، ص89

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

کے اور اس ناجائز ہو جھ اور اعمال کے نشہ دے تلک آ کر باسیانہ رویہ اختیار کر رکھا ہے کیونکہ وہ اپنے میں یہ طاقت محسوس کرتا ہے کہ وہ حکومت ناجائز تشدد کا مقابلہ کر سکے گا تمدن کی بہر کیف بہتر صورت یہ ہے کہ رعایا پر خفیف ٹیکس لگائے جائیں اور ان کے حقوق کا پورا خیال رکھیں۔

تمام م مفکرین نے مسلمانوں کے اندر موجود خرابیوں کا جائزہ لیا ان کی نشاندہی کی اور مسلم حکمرانوں اور طبقہ امراء کے اندر کمزوریوں اور خامیوں کی نشاندہی کی ان کے نقائص کا جائزہ لیا جس کی وجہ سے وہ ذلت اور پستی کا شکار ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اس دور کے دینی ادب پر اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے دین کی تفہیم اور توضیح کے باب میں جو کوشش کی تھی وہ مجموعی طور پر اس دور کی طرز ادا بن گئی، جو بیج انہوں نے بویا تھا، اب ایک تناور درمحبت بن گیا، آپ برصغیر کے وہ پہلے ملکر ہیں جنہوں نے حجتہ اللہ البالغہ میں اسلام کے تبدہ ہیں، سیاسی، مع کیا اور عقائد واخلاق کی بحث کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی تعلیم دی کہ اسلامی تعلیمات کو اپنانے سے ایک ایسا معاشر وہ میں معاشی استحصال اور سیاسی طوائف الملوکی کی کوئی گنجائش نہ ہو، جو اخلاق حسن ہی سے آراستہ نہ ہو بلکہ اس میں معاشرتی تعاون، معاشی آسانیاں اور سیاسی ضلع بھی موجود ہو، جو ہر قسم کی کشاکش سے پاک ہو، جس میں دنیوی زندگی انسانیت کا بہترین نمونہ ہو اور آخرت کی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ بنے۔

تمام مفکرین اخلاق نے قوم کے لئے اور قوم کے افراد کے لئے جس چیز کو اہم اور بنیاد جانا دو قرآن اور قرآنی تعلیمات ہیں اور برصغیر پاک وہند کے علماء کا احسان ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ فارسی میں کیا اس کے بعد ترجمہ قرآن کو اردو میں ڈھالا گیا اور اس کے لئے اپنی جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہ کیا گیا کیونکہ ہندوستان کے قدامت پسند حلقوں میں تصور راسخ تھا کہ قرآن چونکہ عربی میں نازل ہوا ہے اس لئے اس کے عربی میں پڑھنا چاہیے جب کی شاہ ولی اللہ کے نزدیک اس کی تفہیم اور اس کی تعلیمات پر عمل کے لئے ضروری تھا کہ قرآن پاک کا ترجمہ موجودہ زبان میں کیا جائے تاکہ وہاں کے لوگ اللہ کے پیغام کو باآسانی سمجھ سکیں تمام مسلم منکرین کی فکر کا اولین مرکز قرآن حکیم ہے، یہ بات واضح کی گئی کہ قرآن حکیم نے اپنے اولین پیروؤں کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ مسلمانوں کی سیرت، ان کے اخلاق اور ان کے تمدن کو بدل کر رکھ دیا اور انہیں دنیا کا امام بنا دیا۔

قرآنِ حکیم سے تعلق کی تجدید

مسلم مفکرین نے برصغیر میں اسلام کی فکری و عملی تجدید میں جہاں بہت سے پہلوؤں کو موضوع بنایا، وہیں قرآن مجید سے دوری کو مسلمانوں کی زبوں حالی کی بنیادی وجہ بھی قرار دیا۔ ان کا ماننا تھا کہ قرآن صرف مذہبی کتاب نہیں بلکہ فکر و عمل، اخلاق و قانون، دعوت و سیاست سمیت زندگی کے ہر پہلو کے لیے مکمل دستورِ حیات ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ وہ انسان کے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالنے کے لیے بہت سے اسالیبِ بیان کا استعمال کرتا ہے۔ اس میں:

> "عقائد کی وضاحت، اخلاقی تربیت، شرعی احکام، دعوت و تبلیغ، نصیحت و عبرت، تنقید و تخویف، بشارت و تسلی، عقلی دلائل، تاریخی واقعات، اور آثارِ کائنات کی طرف اشارے — یہ تمام عناصر مسلسل ایک دوسرے کے بعد اور باہم مربوط انداز میں آتے ہیں[12]

یہ اسلوب قرآن کو ایک زندہ اور متحرک کتاب بناتا ہے جو ہر زمانے کے انسان سے براہِ راست مکالمہ کرتی ہے۔

شاہ ولی اللہ کی قرآنی فکر

شاہ ولی اللہ کی قرآنی فکر نے برصغیر میں مسلمانوں کے "احوالِ واقعی" کو بہت قریب سے دیکھا۔ وہ نہ صرف ہند کے مسلمانوں کے حالات سے آگاہ تھے بلکہ عالم اسلام کی نبض پر بھی ان کی نگاہ تھی، کیونکہ وہ حجاز مقدس میں ایک طویل عرصہ گزار کر آئے تھے۔ جیسا کہ سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

> "شاہ صاحب نے ایک سال مکہ معظمہ میں گزارا جہاں اس زمانے کے عالم اسلام کی قلبی دھڑکنیں سنی جا سکتی تھیں[13]"

اسی شعور کی بنیاد پر انہوں نے مسلمانوں کی اصلاح کے لیے قرآن کو واحد نجات دہندہ نسخہ قرار دیا۔ ان کے نزدیک:

---

[12] شاہ ولی اللہ دہلوی، *الفوز الکبیر فی اصول التفسیر*، لاہور: ادارہ اسلامیات، 2000ء، ص 35

[13] سید ابوالحسن علی ندوی، *تاریخ دعوت و عزیمت*، لکھنؤ: ندوۃ العلماء، 1991ء، جلد 1، ص 115

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.08.No.02 2025

"اگر بچوں کو کم عمری میں قرآن کے معانی اور مفہوم کے ساتھ تعارف کرادیا جائے تو وہ معانی ان کے ذہن پر ہمیشہ
کے لیے ثبت ہو جاتے ہیں[14]"

انہوں نے اپنے تعلیمی نظام میں قرآن فہمی، ترجمہ اور تدبر کو لازمی قرار دیا، اور قرآن کی تعلیم کو محض تلاوت سے نکال کر فکر و عمل سے جوڑا۔اپنی شہرۂ آفاق کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کو قرآن کو تدبر و فہم کے ساتھ پڑھنے کی تلقین کی، تاکہ وہ اپنی معاشرتی، اخلاقی اور دینی مسائل کا حل قرآن سے تلاش کر سکیں۔

مسلم مفکرین اور تفاسیر و تراجم

شاہ ولی اللہ ہی نہیں، بلکہ بعد کے تمام مسلم مفکرین چاہے وہ سر سید احمد خان، شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی ہوں یا مولانا مودودی سب نے قرآن فہمی کو امت مسلمہ کی بقا کا ذریعہ قرار دیا۔اسی لیے ان میں سے کئی نے قرآن کی تفاسیر ، اردو تراجم، **اور** احادیث کی شرحیں لکھیں تاکہ عام مسلمان قرآن کی تعلیمات کو اپنی روزمرہ زندگی میں نافذ کر سکے۔یہی وجہ ہے کہ اقبالؒ بھی فرماتے ہیں:

"اگر چاہتا ہے تو ہمدردی، حکمت، دانائی
قرآن سے کر رابطہ، اس نور سے روشن ہو[15]"

قرآن کو سمجھ کر پڑھنا، اس پر غور و فکر کرنا، اور اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنا مسلم مفکرین کا بنیادی پیغام رہا ہے۔ وہ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآن صرف تلاوت کی کتاب نہیں، بلکہ ایک زندہ رہنمائی ہے، جس کے بغیر نہ فرد کی اصلاح ممکن ہے، نہ ملت کی۔

مسلم تشخص کا احیاء

تمام مسلم مفکرین نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے تشخص کے احیاء کے لئے کوششیں کیں، انہیں اس بات کا ادراک ہو چکا تھا کہ اگر مسلمانوں کو ان کے الگ تشخص کا احساس نہ دلایا گیا تو انہیں ہندو معاشرے میں ضم ہوتے دیر نہ لگے گی معاشرتی رسموں کے اعتبار سے بھی مسلمانوں اور ہندوؤں میں کوئی بڑا فرق نہ تھا اسلام کی تعلیم یہ تھی کہ خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو لیکن اب بھوت پریت کے ڈر اور دوسرے وہموں سے زندگی کا سکون ملک ہو رہا تھا، ہندوؤں میں نکاح بیوگان کو پاپ سمجھا جاتا تھا، مسلمانوں نے بھی اس روش کو اختیار کر لیا تھا شادی بیاہ اور تجہیز و تلقین کے متعلق اسلامی احکام نہایت سادہ، معقول اور دینی و دنیاوی بھلائی پر مبنی تھے لیکن مقامی اثرات سے ان کی جگہ ایسی خلاف شرع رسموں نے لے لی تھی جن میں فضول خرچی، نمود و نمائش، تضیع اوقات اور دوسری بے شمار برائیاں شامل تھیں ایسے میں مسلم مفکرین نے مسلمانوں کی خرابیوں کی نشاندہی کی اور ان کے خاتمہ پر زور دیا اور اس بات پر زور دیا کہ تم ایک الگ تشخص رکھنے والی قوم ہو اپنے تشخص کو اجاگر کرو نہ کہ دوسری قوموں کے رنگ میں رنگ جاؤ۔

دو قومی نظریہ

برصغیر میں مسلم مفکرین نے ہمیشہ یہ باور کرایا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی جداگانہ فکری، ثقافتی اور تہذیبی شناخت ہے۔اسی شعور نے رفتہ رفتہ ایک الگ سیاسی واجتماعی شناخت کی بنیاد رکھی، جو بعد میں "دو قومی نظریہ" اور حتیٰ کہ ایک علیحدہ ریاست کے قیام کی سیاسی تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔ابو ریحان البیرونی اپنے مشاہدات "کتاب الہند" میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان تہذیبی فرق اتنا گہرا ہے کہ نہ صرف مذہبی بلکہ لباس، رسم و رواج اور طرزِ زندگی کی بنیاد پر بھی دونوں ایک دوسرے سے بے تعلق ہیں۔

"ہم (مسلمان) سب کو برابر سمجھتے ہیں، جبکہ بے اعتنائی کا ایک اور سبب یہ ہے کہ ہندو رسم و رواج میں اتنے مختلف
ہیں کہ وہ ہماری زبان، لباس یا رہن سہن سے گھبراتے ہیں[16]"

---

[14] شاہ ولی اللہ دہلوی، وصیت نامہ، مرتب: حافظ مظہر الدین، دہلی: مطبع نولکشور، 1880ء، ص19

[15] محمد اقبال، ارمغانِ حجاز، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1997ء، ص87

[16] ابو ریحان البیرونی، کتاب الہند، دہلی: اردو ادب پبلی کیشنز، 2010ء، ص 85

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

مسلمان مفکرین میں سر سید احمد خان کو اکثر "دو قومی نظریہ" کا آغاز کرنے والا تصور کیا جاتا ہے۔ ابتداء میں وہ ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے، مگر بعد میں انہوں نے برصغیر میں مسلمانوں کو ایک الگ قوم کا شعور دلانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ علامہ اقبال نے 1930 میں الہٰ آباد خطاب میں حکومت کے عنوان سے مسلمانوں کو ایک الگ سیاسی بیشتر ریاست کا تصور پیش کیا، جس کے لئے وہ قائدِ اعظم محمد علی جناح کے ذہن سازی کا باعث بنے۔ مسلمان ایک مخصوص قوم ہیں، اور جب تک یہی تصدیق نہ ہو، امن ممکن نہیں۔

1940 میں لاہور میں مسلم لیگ کی سالانہ کانفرنس میں پیش کی گئی قرارداد لاہور نے اس نظریے کو سیاسی حقیقت میں ڈھالا، جہاں مسلمانوں سے اکثریت علاقوں میں "آزاد ریاستوں" کا مطالبہ کیا گیا اور انہیں خود مختار قرار دینے کی تجویز دی گئی۔

محمد علی جناح نے "دو قومی نظریہ" کو سیاسی موقف نہیں بلکہ تمدنی اور تہذیبی حقیقت قرار دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہندو اور مسلمان دو مختلف تہذیبوں اور معاشرتوں سے وابستہ ہیں، جن کا اجتماعی پہلو کوئی طویل مدت تک متحد نہیں رہ سکتا۔ اس نظریے کی بنیاد پر ایک سیاسی تحریک پیدا ہوئی اور بالآخر برصغیر کے مسلمانان نے خود کو ایک الگ مملکت کا حق دار سمجھا ایک ایسی سر زمین جہاں وہ اپنے مذہبی، تہذیبی اور معاشرتی اصولوں کے مطابق آزادانہ زندگی گزار سکیں۔

دو قوموں کی الگ شناخت اور مسلمانوں کا سیاسی شعور

حکیم الامت، شاہ ولی اللہ نے صراحت کے ساتھ مسلمانوں اور ہندوؤں کو دو مختلف قومیں قرار دیا اور ان دونوں میں علیحدہ ثقافتی اور اجتماعی شناخت کی ضرورت پر زور دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ دونوں قومیں اپنے مخصوص رسم ورواج اور نظریات کے تحت زندگی گزارتی ہیں، جن میں یکسانیت ممکن نہیں۔ اسی تناظر میں سر سید احمد خان نے بھی مسلمانوں کی سیاسی اور تہذیبی شناخت کو ہندوؤں سے جدا سمجھتے ہوئے، انہیں بھارتی قومیت کی سیاسی سرگرمیوں میں شریک ہونے سے روکا۔ انہوں نے واضح کہا کہ

> "نیشنل کانگریس کے مقاصد کو سمجھنا میرے لیے مشکل ہے۔ کیا یہ مان لیا گیا ہے کہ ہندوستان کی مختلف ذاتیں، فرقے اور مذاہب ایک قوم کی صورت اختیار کر سکتے ہیں، اور ان کے دینی و علمی مقاصد بھی یکساں ہو سکتے ہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ناممکن ہے۔ جب یہ ممکن نہیں، تو نیشنل کانگریس جیسی کوئی چیز وجود نہیں رکھ سکتی جو تمام قوم کے لیے یکساں مفید ہو۔ میں اپنی مذہبی برادری کے لیے ایسی سرگرمیاں مہلک اور نقصان دہ سمجھتا ہوں جو ہندوستان کو ایک قوم کے طور پر پیش کرتی ہیں۔[17]"

علامہ اقبال نے بھی اپنے کلام کے ذریعے قومیت کے اس تصور کی نفی کی، جہاں وطنیت کو ملت کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ ان کے مطابق دیگر قومیں جہاں اپنی نسل، زبان یا علاقے سے وابستہ ہوتی ہیں، مسلمانوں کی اساس ایمان وعقیدہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ

"ملت اسلامیہ کی بنیاد ہوا، پانی یا زمین نہیں بلکہ ایمان ہے جو ہمارے دلوں میں پوشیدہ ہے۔[18]"

ان کے اشعار میں بھی یہ پیغام واضح ہے:

"زندہ ہر کثرت ز بند وحدت است
وحدت مسلم ز دین فطرت است[19]"

یہ اتحاد مسلمانوں کو عقیدہ توحید کی بنیاد پر ایک مخصوص قوم بناتا ہے، جس کا سراغ صرف مذہب میں پایا جاسکتا ہے۔ اقبال نے مزید کہا:

"ملت بیضا تن و جان لا الہ
لا الہ سرمایہ اسرار ما[20]"

---

[17] سر سید احمد خان، مکتوبات، دہلی: اردو ادب بورڈ، 1987، ص122

[18] علامہ محمد اقبال، پیغام مشرق، لاہور: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 1995، ص19

[19] علامہ محمد اقبال، پیغام مشرق، لاہور: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 1995، ص19

[20] ایضا، ص19

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

یعنی ملت اسلامیہ کا جسم و روح صرف لاالہ کے کلمے سے جڑا ہوا ہے، اور یہ کلمہ ہمارے افکار کو یکجا کرتا ہے اور ہمیں فکری وحدت عطا کرتا ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی اس نظریے کی تائید کرتے ہوئے لکھا کہ محض ایک ہی ملک میں رہنے والے تمام افراد کو ایک قوم تصور کرنا، اور اسی بنا پر سب کو یکساں آزادی دینا یا تو لاعلمی ہے یا کسی چالاکی کی نشانی۔ وہ کہتے ہیں:

"اگر کسی ملک میں متعدد گروہ ہوں اور ان کے درمیان نسل، زبان، عقیدہ، یا طرزِ زندگی کے لحاظ سے اختلاف ہو، تو یہ ممکن ہے کہ آزادی کی دولت ایک گروہ کو ملے اور دوسرے گروہوں کو محروم کیا جائے۔"[21]

قومیت کی جو بھی تعریف دی جائے، مسلمانوں کو اس کے تحت ایک الگ قوم تسلیم کیا جاتا ہے، جس کے لیے ایک خود مختار سیاسی وجود ضروری ہے۔ مذہب کے علاوہ بھی، دونوں قوموں میں ثقافت، رسم و رواج، اور طرزِ زندگی کا گہرا فرق موجود ہے۔ ہمارا دین ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی فراہم کرتا ہے، اور ہم اسی اصول کے مطابق زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔

تصور پاکستان

ہندوستان میں ہندوؤں کی مسلم دشمنی کا اظہار معیشت، معاشرت، سیاست اور تعلیم فرض زندگی کے ہر میدان میں ہو رہا تھا روزمرہ معاملات میں مسلمانوں کے ساتھ چھوت چھات کا توہین آمیز سلوک کیا جاتا تھا "ہندو چھوئی موئی قوم کا ایک فرد ہے جو عام طور پر مسلمانوں کے سائے سے بھی بدکتے ہیں، بلکہ ہندو محلہ میں کسی مسلمان کا گذرنا آسان نہیں کہ جائے اور جا کر کسی ہندو دوست کو بلا لائے، وہ مال تجارت میں بھی مجھے نہ چھو کی پالیسی اختیار کرتا ہے، کیا کوئی مسلمان کسی ہندو حلوائی کی دکان کے آگے پھٹک سکتا ہے ہندو مسلمانوں کے ہاتھ چھوا ہوا اقتدار بھی ہاتھ سے نہ لیں اس کے لئے بھی کاٹھ کی ڈولی استعمال کی جائے گی، مسلمان کو پانی پلانے کے، لئے بانس کی لمبی نالی برتی جاتی ہے۔[22]" تمام مسلم مفکرین اخلاق نے مسلمانان برصغیر پاک وہند میں اس بات کا شعور اجاگر کیا کہ ان کے لئے ایسا الگ وطن ہونا چاہیے جہاں وہ قرآن و سنت کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں۔

1857 کی جنگ آزادی کے بعد مسلم مفکرین کی اخلاقی اصلاحات اور ان کے عملی اثرات کا جائزہ

1857 کی جنگ آزادی میں شکست کے بعد مسلمانوں کو نہ صرف سیاسی اور اقتصادی نقصان اٹھانا پڑا بلکہ ان کی اخلاقیات، ثقافت، مذہب اور معاشرتی نظام پر بھی گہرے منفی اثرات مرتب ہوئے۔ اس شکست کے نتیجے میں مسلمانوں کی قومی شناخت شدید خطرے میں آ گئی تھی۔ سقوطِ دہلی کے بعد مدرسہ رحیمیہ کو بند کر دیا گیا، اور ان کے مذہب سے دور کرنے کی سازشیں بھی زور پکڑ گئیں۔ ایسے مشکل حالات میں یہ لازم تھا کہ مسلمانوں کو ان کے اسلامی تعلیمات کی اصل روح سے آگاہ کیا جائے، ان کے اندر اصلاح اور تربیت کا جذبہ پیدا کیا جائے اور ان کے اخلاق کی بہتری کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں تاکہ ان کی اجتماعی وحدت بحال ہو سکے۔

1857ء کی جنگِ آزادی برصغیر کے مسلمانوں کے لیے محض ایک عسکری شکست نہ تھی بلکہ یہ فکری، اخلاقی اور سماجی اعتبار سے بھی ایک نیا موڑ تھا۔ شکست کے بعد مسلمانوں نے سیاسی اقتدار تو کھو دیا مگر ان کے علماء و مفکرین نے جلد ہی یہ حقیقت تسلیم کر لی کہ محض اقتدار کے حصول سے زیادہ اہم کام اخلاقی بنیادوں کی از سرِ نو تعمیر ہے۔ اسی احساس نے مختلف اصلاحی تحریکات کو جنم دیا، جنہوں نے تعلیم، سماج، دینی شعور اور روحانی تربیت کے ذریعے ملت کے اندر نئی اخلاقی توانائی پیدا کی۔ جنگ آزادی کے بعد سب سے زیادہ زور تعلیم پر دیا گیا۔ سر سید احمد خان نے مسلمانوں کو جدید تعلیم کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ اخلاقی تعمیر کے بغیر محض تعلیم کارگر نہیں۔ ان کے نزدیک تعلیم کا مقصد "کردار سازی" تھا۔ علی گڑھ تحریک اسی اخلاقی و تعلیمی اصلاح کی نمائندہ تھی۔ سر سید نے کہا:

"قوموں کی عزت و عظمت کا دارومدار ان کے اخلاق اور تعلیم پر ہے، محض پرانی روایات پر بھروسہ انہیں زمانے کی دوڑ میں آگے نہیں لے جا سکتا۔"[23]

1857ء کے بعد مسلم معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ علما و صوفیا نے معاشرتی اخلاقیات کی از سرِ نو تشکیل کی کوشش کی۔ شبلی نعمانی اور دیگر مفکرین نے سماج کو عدل، مساوات اور خدمتِ خلق جیسے اصولوں کی طرف بلایا۔ خانقاہی نظام نے تزکیۂ نفس کے ذریعے کردار سازی پر زور دیا۔ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

---

[21] سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی نظریہ پاکستان، لاہور: مکتبہ موعود، 1991، ص250

[22] فضل حق، چوہدری تاریخ احرار، مجلس احرار ملتان 1968، ص114

[23] سید احمد خان، خطبات سر سید (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1960)، ص87۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.08.No.02 2025

"زوال کی سب سے بڑی وجہ اخلاقی کمزوری ہے۔ اگر ہم نے اپنے اخلاقی اصولوں کو دوبارہ زندہ نہ کیا تو ترقی کی کوئی صورت باقی نہ رہے گی۔"[24]

صوفیائے کرام نے تزکیۂ نفس، اخلاص اور توکل کو بطور عملی تربیت پیش کیا۔ اس سے فرد کو نہ صرف باطنی سکون ملا بلکہ اجتماعی نظم بھی قائم ہوا۔ خانقاہوں اور مدارس نے اخلاقی اور روحانی تعلیمات کو نئے انداز سے متعارف کرایا، جس سے معاشرت میں برداشت، عفو و درگزر اور ایثار کا جذبہ پروان چڑھا۔ ان اصلاحی تحریکات نے بعد میں سیاسی بیداری کو اخلاقی پشت پناہی فراہم کی۔ جب مسلمانوں نے اپنی اخلاقی بنیادوں کو از سرِ نو مستحکم کیا تو ان میں یہ حوصلہ پیدا ہوا کہ وہ اپنے سیاسی مستقبل کی جدوجہد نئے عزم کے ساتھ کریں۔ خلافت تحریک اور تحریکِ آزادی میں اخلاقی اصولوں کی جھلک نمایاں دکھائی دیتی ہے۔

1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا چیلنج اخلاقی و سماجی انحطاط تھا۔ مسلم مفکرین نے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اصلاحی تحریکات کی بنیاد ڈالی۔ ان کی کوششوں کا محور تعلیم، سماج، دین اور سیاست میں اخلاقی اصولوں کو از سرِ نو زندہ کرنا تھا۔ ان اصلاحات کے نتیجے میں برصغیر کے مسلمانوں کو نہ صرف فکری بیداری حاصل ہوئی بلکہ انہوں نے بعد کے ادوار میں سیاسی اور سماجی جدوجہد کے لیے اخلاقی بنیادیں بھی فراہم کیں۔

نتائج

1. مسلم مفکرین کی اخلاقی فکر بنیادی طور پر وحی الٰہی (قرآن) اور سنتِ نبویؐ پر مبنی ہے۔
2. مسلم مفکرین کی تعلیمات نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری انسانیت کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔
3. مسلم مفکرین نے انفرادی کردار سازی اور اجتماعی اخلاقی نظام کی تشکیل دونوں پر توجہ دی۔
4. ان مفکرین کے نزدیک اخلاقیات کا مقصد صرف نیکی کا فروغ نہیں بلکہ ایک صالح اور منصفانہ معاشرہ قائم کرنا ہے۔
5. مسلم مفکرین کی اخلاقی تعلیمات نے اسلامی ریاستوں کے سیاسی و معاشی نظاموں اور تعلیمی اداروں کی تشکیل پر گہرا اثر ڈالا۔
6. اخلاقیات صرف نظریاتی بحث نہیں بلکہ عملی زندگی میں اس کا براہ راست اثر دیکھا جا سکتا ہے، جیسے عدل، دیانت، صداقت، ایثار، اور احسان۔
7. جیسے امام غزالی، ابن مسکویہ، ابن رشد، اور شاہ ولی اللہ نے اخلاق کو مختلف علمی و روحانی پہلوؤں سے مربوط کیا۔
8. مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ مسلم معاشروں میں اخلاقی زوال کی ایک بڑی وجہ مسلم مفکرین کی اخلاقی فکر سے انحراف ہے۔
9. مسلم مفکرین کی اخلاقی فکر دیگر مذاہب اور تہذیبوں کے ساتھ مثبت مکالمے کی راہ ہموار کرتی ہے۔
10. مسلم مفکرین کی فکر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تعلیمی نظام میں اخلاقیات کو مرکزی حیثیت دینا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

سفارشات

1. اسکول، کالج اور یونیورسٹی سطح پر مسلم مفکرین کی اخلاقی تعلیمات کو بطور مضمون پڑھایا جائے۔
2. یونیورسٹیوں میں ریسرچ اسکالرز کو ان موضوعات پر تحقیق کے لیے مواقع فراہم کیے جائیں۔
3. معاشرتی اصلاح کے لیے علمائے دین اور اساتذہ کو اخلاقی اصولوں کی تعلیم عام کرنی چاہیے۔
4. ٹی وی، ریڈیو، سوشل میڈیا اور اخبارات کے ذریعے اسلامی اخلاقیات پر مبنی مواد عام کیا جائے۔
5. بچوں کی اخلاقی بنیادوں پر تربیت کے لیے والدین کو رہنمائی اور تربیتی ورکشاپس دی جائیں۔
6. حکومتیں اسلامی اخلاقیات پر مبنی معاشرتی و تعلیمی پالیسیوں کو نافذ کریں۔
7. اسلامی تصوف میں موجود اخلاقی اصولوں کو نوجوانوں میں روحانی بیداری کے لیے استعمال کیا جائے۔
8. دیانت، عدل، شفافیت اور امانت جیسے اصولوں کو سیاسی و معاشی نظاموں میں لاگو کیا جائے۔

24 شبلی نعمانی، المامون (اعظم گڑھ: دارالمصنفین، 1911)، ص 14۔

9. مختلف مذاہب و تہذیبوں کے درمیان باہمی احترام اور رواداری کو فروغ دینے کے لیے اخلاقی اصولوں کو مشترکہ پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کیا جائے۔
10. مسلم مفکرین کی فکر کو جدید زبان، مثالوں اور وسائل کے ساتھ نوجوان نسل تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔

خلاصہ

مسلم مفکرین کی اخلاقی فکر اسلامی تعلیمات کا ایک اہم پہلو ہے جو قرآن و سنت کی روشنی میں انسانی کردار کی تعمیر اور معاشرتی بہتری کا جامع تصور پیش کرتی ہے۔ ان مفکرین، جیسے امام غزالی، ابن مسکویہ، ابن رشد، اور شاہ ولی اللہ، نے اخلاقیات کو نہ صرف انفرادی اصلاح کا ذریعہ قرار دیا بلکہ اسے ایک صالح معاشرے کی بنیاد بھی سمجھا۔ ان کی فکر میں صداقت، دیانت، عدل، ایثار، حلم، اور خیر خواہی جیسے اصول نمایاں طور پر موجود ہیں، جنھوں نے اسلامی معاشروں کے سیاسی، تعلیمی اور سماجی نظاموں پر گہرا اثر چھوڑا۔ آج کے دور میں جب کہ اخلاقی بحران بڑھتا جا رہا ہے، مسلم مفکرین کی تعلیمات ہمیں ایک ایسا اخلاقی فریم ورک مہیا کرتی ہیں جو جدید چیلنجز کا سامنا کرتے ہوئے ایک متوازن، پرامن اور فلاحی معاشرہ تشکیل دینے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ اس مطالعے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اسلامی اخلاقیات کو فروغ دینے کے لیے تعلیمی، معاشرتی اور حکومتی سطح پر سنجیدہ اقدامات کی ضرورت ہے تاکہ فرد اور معاشرہ دونوں کی اصلاح ممکن ہو سکے۔

مصادر و مراجع

1. ابوالاعلیٰ مودودی، سید۔ اسلامی نظریہ پاکستان، لاہور: مکتبہ موعود، 1991۔
2. البیرونی، ابوریحان۔ کتاب الہند، دہلی: اردو ادب پبلی کیشنز، 2010۔
3. بدایونی، ملا عبدالقادر۔ *منتخب التواریخ*، ترجمہ: جورج رینکنگ، کلکتہ: ایشیاٹک سوسائٹی، 1998۔
4. تھانوی، اشرف علی۔ اصلاح رسوم، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، 2001۔
5. راشدی، چوہدری فضل حق۔ *تاریخ احرار*، ملتان: مجلس احرار، 1968۔
6. سر سید احمد خان۔ مکتوبات، دہلی: اردو ادب بورڈ، 1987۔
7. شیخ اکرام۔ *تاریخ دار العلوم دیوبند*، دہلی: مطبع علوم اسلامیہ، 1995۔
8. علامہ اقبال، محمد۔ ارمغانِ حجاز، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1996۔
9. علامہ اقبال، محمد۔ *بانگِ درا*، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1996۔
10. علامہ اقبال، محمد۔ پیغام مشرق، لاہور: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 1995۔
11. علامہ اقبال، محمد۔ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1982۔
12. قاسم نانوتوی، مولانا محمد۔ *تاریخ و تحریک دار العلوم دیوبند*، لکھنؤ: ادارہ اشاعت اسلامی، 1987۔
13. محمد اقبال، علامہ۔ ارمغانِ حجاز، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1997۔
14. مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی۔ مکتوبات *امام ربانی*، مرتبہ: خواجہ محمد معصوم، لاہور: ادارہ اسلامیات، 1981۔
15. مودودی، ابوالاعلیٰ۔ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات، لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 1987۔
16. ندوی، ابوالحسن علی۔ البلاغ المبین، مجلس نشریات اسلام، 1986۔
17. ندوی، ابوالحسن علی۔ *تاریخ دعوت و عزیمت*، لکھنؤ: ندوۃ العلماء، 1991۔
18. ولی اللہ دہلوی، شاہ۔ *الفتح الکبیر فی اصول التفسیر*، لاہور: ادارہ اسلامیات، 2000۔
19. ولی اللہ دہلوی، شاہ۔ حجۃ اللہ البالغہ، دہلی: نولکشور پریس، 1870۔
20. ولی اللہ دہلوی، شاہ۔ وصیت نامہ، مرتب: حافظ مظہر الدین، دہلی: مطبع نولکشور، 1880۔

Bibliography

1. Al-Biruni, Abu Rayhan. Kitab al-Hind. Delhi: Urdu Adab Publications, 2010.
2. Badauni, Mulla Abdul Qadir. Muntakhab al-Tawarikh. Translated by George Ranking. Calcutta: Asiatic Society, 1998.
3. Ehtisham, Chaudhry Fazl Haq. Tareekh-e-Ahrar. Multan: Majlis-e-Ahrar, 1968.
4. Ikram, Sheikh. Tareekh Darul Uloom Deoband. Delhi: Matba‘ Uloom Islamia, 1995.
5. Iqbal, Muhammad. Armaghan-e-Hijaz. Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1996.
6. Iqbal, Muhammad. Bang-e-Dra. Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1996.
7. Iqbal, Muhammad. Payam-e-Mashriq. Lahore: National Book Foundation, 1995.
8. Iqbal, Muhammad. The Reconstruction of Religious Thought in Islam. Lahore: Sheikh Ghulam Ali and Sons, 1982.
9. Mawdudi, Abul A‘la. Quran ki Char Buniyadi Istalahain. Lahore: Islamic Publications, 1987.
10. Mawdudi, Syed Abul A‘la. Islami Nazriya-e-Pakistan. Lahore: Maktaba Maudood, 1991.
11. Nadwi, Abu’l Hasan Ali. Al-Balagh al-Mubeen. Majlis Nashriyat-e-Islam, 1986.
12. Nadwi, Abu’l Hasan Ali. Tareekh-e-Dawat-o-Azimat. Lucknow: Nadwatul Ulama, 1991.
13. Nanotvi, Muhammad Qasim. Tareekh-o-Tehreek Darul Uloom Deoband. Lucknow: Idara Ishaat-e-Islam, 1987.
14. Sarhindi, Ahmad (Mujaddid Alf Sani). Maktubat Imam Rabbani. Compiled by Khwaja Muhammad Masoom. Lahore: Idara Islamiyat, 1981.
15. Shah Waliullah Dehlavi. Al-Fawz al-Kabir fi Usul al-Tafsir. Lahore: Idara Islamiyat, 2000.
16. Shah Waliullah Dehlavi. Hujjat Allah al-Baligha. Delhi: Naval Kishore Press, 1870.
17. Shah Waliullah Dehlavi. Wasiyat Nama. Edited by Hafiz Mazharuddin. Delhi: Matba‘ Naval Kishore, 1880.
18. Sir Syed Ahmad Khan. Maktubat. Delhi: Urdu Adab Board, 1987.
19. Thanwi, Ashraf Ali. Islah-e-Rusoom. Lahore: Maktaba Rahmaniya, 2001.